OPEN ACCESS
Al-Nasr
ISSN (Online): 2958-9398
ISSN (Print): 2959-1015
https://alnasrjournal.com

Al-Nasr Volume 2, Issue 3 (October-December 2023)

فیض کی نظم "زنداں کی ایک صبح" استعماری نفسیات اور ساختیات کے آئینے میں

Faiz's poem "A Morning in Prison" in The Mirror of Colonial Psychology and Structuralism

Dr. Taiba Walayat Khan
EX-Visiting Lecturer, Govt. College University, Faisalabad
Dr. Muhammad Khuram Yasin (Correspondence Author)
Lecturer, Govt. College Women University, Sialkot

Abstract

Faiz Ahmad Faiz remained renowned and most eminent poet of Urdu due to his peculiar dialect and thoughts. His poetry is manifestation of motivation, hope and love. In this paper, the writer explores the profound imagery and symbolism of Faiz Ahmed Faiz's poem " A Morning in Prison" The analysis sheds light on the Colonial Psychology and Structuralism of this poem and explains how the poem captures the emotional landscape of imprisonment, blending despair with flickering defiance and unwavering hope. Through specific examples of the text's symbolic elements, the paper argues that Faiz transforms the prison cell into a crucible of resilience, where darkness cannot extinguish the human spirit's yearning for freedom. By tracing the interplay of memory, longing, and dream, the analysis ultimately reveals the poem as a powerful testament to the enduring power of hope even in the face of oppression.

Key Words: Saussure, Faiz Ahmad Faiz, Colonialism, Structuralism, Exploitational oppression

CC BY

تمہید

فیض احمد فیض، جنھیں اردو ادب میں انقلاب اور رومان کا سنگِ میل سمجھا جاتا ہے، بلا شبہ اردو کے بہترین شعرا میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی شاعری زندگی کی حقیقی تصویر کو رموز و علائم میں یوں ملفوف کر کے پیش کرتی ہے کہ اس کی اثر آفرینی دوچند ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری کو دیس بدیس میں قبولِ عام ملا اور وہ اس حوالے سے اس مرتبے پر فائز ہوئے کہ جس تک پہنچنا ہر شاعر کا خواب ہے۔ فیض احمد فیض جنھوں نے اپنا قلمی سفر نقشِ فریادی سے شروع کر کے مرے دل مرے مسافر پر ختم کیا، اپنے تمام شعری مجموعوں میں ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھاتے رہے۔ چناں چہ اس ضمن میں ان کے دیگر مجموعے جن میں "دستِ صبا"، "زنداں نامہ"، "دستِ تہہ سنگ"، "سرِ وادیٔ سینا" اور "شامِ شہر یاراں" شامل ہیں، ان کے عنواوین ہی سے ان کے موضوعات کا سراغ ہاتھ آجاتا ہے۔ وہ زندگی بھر ظلم و جبر، استعماری قوتیں اور معاشی استحصال کو ہدفِ تنقید بناتے رہے اور جیل کی صعوبتوں تک کو جھیلا لیکن اپنے موقف سے پیچھے نہ ہٹے۔ چناں چہ یہی بنیادی نقطہ ان کی تخلیقات کا مرکز ہے اور اسی کے گرد ان کا کل نظامِ فکر گردش کرتا ہے۔ ایسے میں ضروری ہے کہ ان کی شاعری کے پس منظر میں استعمار و رد استعمار اور اس کی بنت جسے جدید تنقید میں ساختیات کا نام دیا گیا ہے، کی تلاش کی جائے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر نصرت کہ فیض اپنی زندگی کے حقیقی تجربات کو ضبطِ تحریر میں لائے:

> "فیض ذاتی، اجتماعی، اقتصادی، سیاسی یا ایسے ہی کسی اور واقعے سے شدت سے متاثر ہوتے ہیں لیکن وہ اس واقعے کو اس وقت تک شعری جامہ نہیں پہناتے جب تک وہ اسے تخلیقی طور پر محسوس نہ کریں۔ 1930ء کے بعد جن شعرا نے اردو شاعری میں امتیازی مقام حاصل کیا، ان میں فیض کا نام سر فہرست ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے فکری، تہذیبی اور شعری مزاج سے ہم آہنگی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ اردو شعری روایات کا گہرا مطالعہ کیا۔ انھوں نے دو نمایاں موضوعات یعنی رومانیت اور اپنے عہد کے تقاضوں کا ساتھ دیتے ہوئے طبقاتی نظام کی پیدا کردہ خرابیوں کو اپنی شاعری کے اساقرار دیا۔"[1]

فیض کی کل شعری کائنات تحریک اور امید کا درس دیتی ہے لیکن وہ زلفِ خمِ جاناں میں الجھ کر رہ جانے کے بجائے عصرِ حاضر کے تلخ حقائق سے منھ بھی نہیں موڑتے۔ اسی لیے رومانویت اور ترقی پسندیت کے ملاپ سے ان کی شاعری اردو ادب میں ایک نئی روش قائم کرتی ہے جس پر تاحال شعرا طبع آزمائی کرتے آرہے ہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر اشفاق حسین رائے یہ کہنے میں درست نظر آتے ہیں کہ دنیا کے لاکھوں اور کروڑوں مجبور و محکوم عوام کی جدوجہد کو "فنا آمادہ" کہہ کر فیض کی سیاسی اور انقلابی شاعری کے کینوس کو محدود نہیں کیا جاسکتا۔ یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے کہ دنیا میں صرف قید کانے، بھوک اور بغاوت ہی نہیں ہے بل کہ حسن و دل کشی کے کئی اور بھی مرقعے ہیں جن کی تمام زندگی قصیدہ خوانی کی جاسکتی ہے لیکن جب گھر میں آگ لگی ہو تو گھر کی خوبصورتی اور پائیداری کے گیت بھی نہیں گائے جاتے بل کہ آگ بجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ فیض کو احساس ہے کہ زندگی کی رعنائیاں محدود نہیں ہیں۔ زندگی کے لامحدود تقاضوں اور ان کے امکانات کا بھی علم ہے ل۔ ان کو فطرت کی بکھری ہوئی بے پناہ حسن کی دولت کا بھی شعور ہے۔ اس کی جاوید خرامی سے ان کو انکار نہیں لیکن زندگی کی تلخیاں اور مصائب بھی تو آخر اہمیت رکھتے ہیں۔ فیض ان کی جانب کیسے نہ متوجہ ہوتے۔ فیض نے بہت سوچ سمجھ کر سیاست اور انقلاب کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا ہے۔[2]

زنداں کی ایک صبح کی ساخت میں استعماری نفسیات

ساختیات(Structuralism)ایک ایسا نظریہ ہے جو زبان، ادب، ثقافت اور دیگر انسانی سرگرمیوں کو ایک نظام کے طور پر سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس نظریہ کا آغاز سوویت لسانیات دان نیکولائی ٹومسکی(Nikolai Trubetzkoy)نے کیا تھا، لیکن اس کی بنیادی تخلیق فرانسیسی لسانیات دان فرڈینین ڈی سوسیر (Ferdinand de Saussure)نے رکھی جس کے لیکچرز کو اس کے شاگردوں نے بعد ازاں "کورس ڈی لنگوسٹک"(Course in General Linguistics) کے عنوان سے شایع کیا۔ ساختیات بنیادی طور پر تو زبان کا نظریہ تھا لیکن اس نے زبان کی بناوٹ سے اس کے نفسیاتی اور حیاتی استعمال کے حوالے سے نفسیات اور حیاتیات کے ساتھ ساتھ ادب، فلسفہ، نفسیات، عمرانیات، سماجیات تک کو متاثر کیا۔ ساختیات کے حوالے سے جے اے کڈن ادبی اصطلاحات کی عالمی لغت " A Dictionary of Literary Terms and Literary Theory"میں تحریر کرتے ہیں کہ ساختیات چوں کہ علامت، اشارہ، معنیت اور اس کے معاشرتی تعلق کا نظام ہے اس لیے یہ محض زبان سے ایک درجہ آگے کی چیز ہے:

> "Not just the language of utterance in speech and writing. It is concerned with signs and thus with signification. Structuralist theory considers all conventions and codes of communication; for example, all forms of signal (smoke, fire, traffic lights, Morse, flags, gesture), body language, status symbols and so on."[3]

مقصود حسنی اپنے مقالے میں ساختیات کے بارے میں تحریر کرتے ہیں کہ یہ مصنف کی معاشرے سے جُڑت اور اس کے بیانیے کا نام ہے:

> "ساختیات در حقیقت زندگی کے تمام حوالوں، واسطوں اور رابطوں کے بارے میں سوچنے اور ایک مخصوص انداز سے عمل کرنے کا نام ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ ساختیات زندگی اور اس کے جملہ معاملات کے بارے میں نہ صرف غور کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے بل کہ اپنے انداز سے تجربات کا ڈھنگ بھی سکھلاتی ہے۔۔۔ جس کے متعلق سوچا، دیکھا یا لکھا اجاہرا ہوتا ہے اور جو اس کا ملاحظہ کرت اہے اس کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ یہ بھی سوچنے، دیکھنے اور لکھنے والے کے اندر کا ناظر اور قاری زندہ ہو کر متحرک ہو جات ہے۔ وہ تنہا نہیں ہوتا بل کہ ان گنت سماجی رشتوں سے جڑا ہوتا ہے۔"[4]

ساختیات میں در حقیقت کسی بھی ادب پارے، نظم و نثر کی ساخت کا مطالعہ کرتے ہوئے اس میں موجود کوڈز(Codes) جن میں مختلف معاشرتی، تہذیبی اور ثقافتی، نشانات، اشارات، علامات، استعارات، تشبیہات وغیرہ شامل ہوتے ہیں، رسمیات(Conventions)جن میں روایات و رسمیات وغیرہ شامل ہوتی ہیں اور شعریات و معنیات کا مکمل نظام موجود ہے، کی نشاندہی کرتی ہے۔[5] ساختیات میں چوں کہ زبان، ادب اور ثقافت کو ایک جامع انداز میں سمجھنے کی کوشش کی جاتی ہے نہ

کہ اسے محض اشیا کو الفاظ دینے کا نام سمجھا جاتا ہے۔ اس میں زبان کی معنویت کا حاضر وقت میں مطالعہ کیا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں الفاظ، جملے اور دیگر لسانی عناصر ایک دوسرے سے باہم مربوط ہیں۔ یہ عناصر اپنی انفرادی معنوں سے زیادہ اپنے باہمی تعلقات سے اپنی معنی خیزی حاصل کرتے ہیں۔ ساختیات کے مطابق زبان ایک تاریخی اور سماجی نظام میں پرورش پاتی ہے۔ اس ضمن میں فیض احمد فیض کی نظم "زنداں کی ایک صبح" کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ صرف ان کی اسیری کے ایام کی یاد دلاتی ہے بل کہ اس میں موجود مخصوص اشارات (Codes) جو کہ تشبیہات و استعارات اور تجسیم کاری کے ذریعے واضح کیے گئے ہیں، ایک استحصالی اور استعماری منظر کو بھی بیان کرتے ہیں۔ ان تک پہنچے بنا نظم کے بین السطور تک رسائی ممکن نہیں ہے اور نہ ہی اس کا پس منظر درست انداز میں سمجھا جا سکتا ہے۔

غداری کا الزام

فیض کو زندگی میں جن مسائل کا سامنا ہوا، ان میں سے ایک غداری کا الزام اور اس کے نتیجے میں قید و بند کی صعوبتیں جھیلنا بھی شامل تھا۔ اس دوران میں انھوں نے زندگی کے ایسے پہلوؤں کو قریب سے دیکھا جنھیں وہ "زندان" سے باہر رہ کر یا محض تصور کر کے تحریر نہیں کر سکتے تھے۔ اسی سبب انھوں نے تذکیہ نفس یا کیتھارسز کے لیے جیل سے اپنے دل کا حال شاعری اور ان خطوط کی صورت میں بیان کیا جو وہ اپنی بیگم کلثوم (ایلس) کے نام (Two Loves) تحریر کرتے تھے اور بعد ازاں ان کا ترجمہ بذات خود "صلیبیں مرے دریچے میں" کے عنوان سے کیا تھا۔ فیض کو چوں کہ غداری کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا اور ان کے شب و روز، زندان میں کٹ رہے تھے، اس لیے زندان اور استعماری قوتوں کا جبر و استبداد کی جھلک کے حوالے سے بہت سی نظمیں ان کے مختلف مجموعوں میں شامل ہیں۔ انھی میں سے ایک "زنداں کی ایک صبح" بھی ہے۔ اس کے ساختیاتی و نفسیاتی جائزے سے قبل نظم ملاحظہ کیجیے:

رات باقی تھی ابھی جب سر بالیں آ کر
چاند نے مجھ سے کہا 'جاگ سحر آئی ہے
جاگ اس شب جو مے خواب ترا حصہ تھی
جام کے لب سے تہہ جام اتر آئی ہے
عکس جاناں کو وداع کر کے اٹھی میری نظر
شب کے ٹھہرے ہوئے پانی کی سیہ چادر پر
جا بجا رقص میں آنے لگے چاندی کے بھنور
چاند کے ہاتھ سے تاروں کے کنول گر گر کر
ڈوبتے تیرتے مرجھاتے رہے کھلتے رہے
رات اور صبح بہت دیر گلے ملتے رہے
صحن زنداں میں رفیقوں کے سنہرے چہرے
سطح ظلمت سے دمکتے ہوئے ابھرے کم کم
نیند کی اوس نے ان چہروں سے دھو ڈالا تھا

دیس کا درد فراق رخ محبوب کا غم
دور نوبت ہوئی پھرنے لگے بے زار قدم
زرد فاقوں کے ستائے ہوئے پہرے والے
اہل زنداں کے غضب ناک خروشاں نالے
جن کی باہوں میں پھرا کرتے ہیں باہیں ڈالے
لذت خواب سے مخمور ہوائیں جاگیں
جیل کی زہر بھری چور صدائیں جاگیں
دور دروازہ کھلا کوئی کوئی بند ہوا
دور مچلی کوئی زنجیر مچل کے روئی
دور اترا کسی تالے کے جگر میں خنجر
سر پٹکنے لگا رہ رہ کے دریچہ کوئی
گویا پھر خواب سے بیدار ہوئے دشمن جاں
سنگ و فولاد سے ڈھالے ہوئے جنات گراں
جن کے چنگل میں شب و روز ہیں فریاد کناں
میرے بے کار شب و روز کی نازک پریاں
اپنے شہپور کی رہ دیکھ رہی ہیں یہ اسیر
جس کے ترکش میں ہیں امید کے جلتے ہوئے تیر[6]

عموماً قید سے تحریر کیے گئے ادب میں انقلابی فکر نمایاں ہوتی ہے اور لہجہ تیز ہوتا ہے۔ فیض کی یہ نظم بہت ہی دھیما لہجہ لیے ہوئے ہے۔ وہ بہت زیادہ ظلم و جبر سہتے ہوئے بھی پر امید نظر آتے ہیں۔ جہاں ان کے ساتھی قیدی روز سولی چڑھتے ہیں، طرح طرح کے مظالم ڈھائے جاتے ہیں، وہ انھیں اور در حقیقت خود کو اچھے دنوں اور انصاف کی امید میں تسلی دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ نظم چوں کہ حالتِ اسیری میں تحریر کی گئی تھی اس لیے ایک مکمل استعماری نظام کی نمائندگی کرتی ہے جہاں محض مجرموں ہی کو نہیں بل کہ جبری نظام کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے والے ہر شخص کو پابندِ سلاسل ہوتا دکھایا گیا ہے۔ محمد حمید شاہد اس حوالے سے فیض کی شاعری میں ظلم و بربریت کے خلاف توانا آواز کے ضمن میں ان خیالات کا اظہار کرتے ہیں:

> "فیض کی شاعری کا فیضان یہ بھی ہے کہ اسے پڑھتے ہوئے ایک عجب طرح کے درد کی لذت عطا ہوتی ہے۔ وہ وجود جو لحہ لحہ منہدم ہو رہے ہوتے ہیں، توانائی اور قوت کی مئے سے مست ہو کر جھومنے لگتے ہیں۔ اس مئے کی مستی میں کوئی بھی محرومی یا نارسائی، رسوائی یا دل شکستگی کا سامان نہیں ہوتی، عزم اور حوصلے کا نشان ہو جاتی ہے۔ اسی شاعری کا اعجاز ہے کہ زنداں کا پھاٹک محبوب کے آستان کا دروازہ بن جاتا ہے اور احترامِ آدمیت کی منزل، وصل جیسے لطف کا بدل ٹھہرتی ہے۔ فیض کی شاعری میں ظلم، ظالم، اہل جنوں، اہل ہوس، مدعی، منصفی، طواف، جسم و جان، فلک، فراق جیسے بظاہر روایتی الفاظ آئے ہی چلے

جاتے ہیں اور یہ بھی کہہ آیا ہوں کہ فیض کا سوز دروں اور مزاج کی نرمی یا کریہ الفاظ ایک نفاست اور خاص تخلیقی قرینے سے متن کا حصہ ہوتے ہیں جو صرف فیض ہی سے مختص ہے۔ یہاں اپنی بات دہرا کر یہ اضافہ کرنا مقصود ہے کہ اس تخلیقی قرینے نے فیض کی شاعری میں اپنی تہذیبی زندگی کے بھید کو بھی ایک معنیاتی پرت کے طور محفوظ کر دیا ہے۔ فیض کے ہاں موضوع سخن ہو جانے والی زنداں کی ایک شام ہو یا زنداں کی ایک صبح، مجھے کسی نہ کسی حوالے سے آج کے عہد سے جڑی ہوئی لگتی ہے۔"[7]

فیض کی اس نظم میں ان کی فن پر گرفت ہی نہیں بل کہ عمیق مشاہدے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ ہر شے کو بغور دیکھتے ہوئے رنجیدہ ہیں اور دنیا میں خیر و شر کے بر سرِ پیکار ہونے کی منظر کشی کر رہے ہیں۔ دنیا میں گو کہ جیت ہمیشہ خیر کی ہوئی ہے لیکن شر، استحصال، ظلم و جبر جا بجا فاتح نظر آتا ہے۔ موجودہ دنیا کا منظر نامہ ملاحظہ کیجیے جس میں فلسطین کے حوالے سے عالمی قوتوں کی مجرمانہ خاموشی اختیار کی ہوئی ہے یا جنگ عظیم اول و دوم کا جائزہ لیجیے، ہر جگہ استحصالی قوتیں کامیاب نظر آئیں گی اور اس نظم کی معنی آفرینی کا سفر جاری رہے گا۔ معانی کی ان نئی پرتوں کا تعین ساختیاتی حوالے (Structuralistic) سے کیا جا سکتا ہے کیوں کہ یہ نظم اس نظام سے جڑی ہے اور اس کی آب یاری اسی سماج میں ہو رہی ہے۔ یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ نظم کا گہرا تعلق حالاتِ حاضرہ، نفسیات اور سماج سے جڑا ہوا نظر آتا ہے۔ مثلاً نظم میں علامتیت جو چاند، رات، قید، تالہ، خنجر، صبح، وغیرہ کی صورت میں ادبی اور سماجی کوڈز مہیا کرتی ہے، ان کا مشاہدہ سماج اور اس سارے پس منظر کے بنا ممکن نہیں جس میں یہ تحریر کی گئی ہے۔

جیل میں جاری جبر در حقیقت پورے سماج کی منظر کشی ہے جس میں قیدی محض جیل کے اندر ہی موجود نہیں ہیں بل کہ وہ سارے سماج کی صورت میں بھی موجود ہیں جہاں استعماری قوتیں انھیں مسلسل دبائے ہوئے ہیں۔ یہاں جیل اور قیدی دونوں استعارے (Signs) ہیں لیکن حقیقت کے بالکل متوازی۔ فاقہ کشی، وہ بربریت ہے جو کہ معاشی استحصال کی صورت میں پیش ہوتی ہے جس کے سبب قیدیوں کے رنگ پیلے پڑ چکے ہیں۔ یہ پیلے رنگ بھوک اور افلاس کی علامات ہیں اور غلام ذہنیت کی ایک نشانی جو انھیں نفسیاتی طور پر اتنا کمزور کر چکی ہے کہ وہ اپنے حق کے لیے اٹھ کھڑے ہونے کے لیے بھی تیار نہیں۔ نظم پڑھتے ہوئے ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ شاعر خود کیوں قید ہے اور اس کا وہاں کیا مستقبل ہے؟ کیا وہ واقعتاً موجود بھی ہے یا یہ سب اس کا فریبِ نظر اور تصور ہے۔ ایک ایسے شاعر نے لکھی تھی جو اپنے سیاسی عقائد کی وجہ سے قید تھا۔ اس نظم میں قید میں زندگی کے اس جبر اور بربریت کی تصویر کشی کی گئی ہے جس کی جڑیں نو آبادیات (Colonislism) میں پیوست ہیں اور جہاں شاعر مسلسل نگرانی اور محرومی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

چاند کا فیض کو جگانا اور خواب و خیال کی دنیا

نظم کے آغاز میں معلوم ہوتا ہے کہ شاعر کو چاند یہ کہہ کر جگا دیتا ہے کہ اٹھ جاؤ "سحر آئی ہے" جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ابھی تک سورج کی پہلی کرن بھی طلوع نہیں ہوئی اور رات بھی باقی ہے۔ چاند کا سحر کا پیغام دینا در اصل زبان کو اجنبیانے (defamiliarization) کی کوشش ہے۔ جب کہ رات اور سحر کے استعارے در اصل باہم مخالف لیکن متصل جوڑے (Binary oppositions) ہیں۔ رات کی نیند سے جگانے کے لیے ہمیشہ سے سورج استعمال ہوتا ہے نا کہ چاند لیکن یہاں فیض احمد فیض کو چاند جگا رہا ہے اور سحر کا پیغام دے رہا ہے۔ یہ فیض کے تخیل اور لاشعور کی کارستانی ہے جو انھیں مثبت

سوچنے پر مجبور کرتی ہے جب کہ وہ قید و بند کی صعوبتیں کاٹ رہے ہیں۔ ان کے نزدیک چاند امید کی علامت (Sign) ہے جو کہ کسی اور جانب اشارہ (Signifier) کرتا ہے۔ دوسری اہم علامت (Sign) رات ہے جو کہ ظلمت کا بیانیہ ہے۔ اگلے دو مصرعوں میں جگاتے ہوئے شاعر سے جب یہ کہا جارہا ہے کہ خواب تہہِ خواب اتر آیا ہے تو یہ محض خواب کے خاتمے کا اعلان کرکے زندگی میں دھکیلنے کی ہی کوشش نہیں بل کہ اس میں استحصالی جبر (Exploitational Oppression) بھی شامل ہے جو خواب بھی استحصالی قوتوں کی مرضی ہی سے دیکھتا ہے۔ اس حالت میں فیض اپنے خواب میں جانِ جاناں کو رخصت کرکے پھر سے اٹھ بیٹھنے کا ذکر کرتے ہیں۔ چاند کا فیض کو جگانا اور خواب و خیال کی دنیا سے ایک اور ہی تخیلاتی دنیا تک پہنچانا، دو قسم کے سوالات کو جنم دیتا ہے اور ساختیات کے مطابق ایک ایسا خلا (Gape) رکھتا ہے جسے معاشرتی جبر کو سمجھے بنا پُر نہیں کیا جاسکتا۔ کیا کوئی شخص قید و بند کی صعوبتیں اٹھاتے ہوئے بھی محبوبہ کے تخیل میں ڈوبارہ سکتا ہے؟ کیا محبوبہ کا یہ تصور محض یک طرفہ ہے یا ایک ہی معنی رکھتا ہے۔ اس کے جواب میں فیض کے کل کلام کا احاطہ کیا جائے تو وہ وطن کو بھی محبوبہ سمجھتے تھے اور اپنی بیوی کو بھی جو ان کی اولاد کو پال رہی تھی۔ یوں ساختیات کے مطابق محبوبہ بھی علامت (Sign) سے علامت نما (Signifer) میں ڈھل جاتی ہے اور معنی کے متعدد پہلو رکھتی ہے۔ عکسِ جاناں کا پہلا تخیل (Image) محبوبہ، دوسرا بیوی اور تیسرا وطن اور اس کی سلامتی سے جڑتا ہے۔ تیسرے تصور کی دوہرائی ان کی شاعری میں متعدد جگہوں پر نظر آتی ہے۔ اس ضمن میں وہ وطن پر جان تک قربان کردینے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

اس سے اگلے دونوں مصرعوں میں انھیں رات کے پانی یعنی سیاہی اور تاریکی میں چاند کی روشنی بھنور کی صورت رقصاں نظر آتی ہے جس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اب وہاں چراغاں ہونے لگا ہے اور ان کی نفسیاتی کشمکش، حل ہونے لگی ہے۔ وہ حوصلے سے آگے بڑھنے کے جذبے کو جلا دے رہے ہیں۔ فیض کے ہاں چاند امید اور آرزوؤں کے استعارے کے طور پر بھی استعمال ہوا ہے اور دکھ اور یادِ ماضی کے طور پر بھی۔ چاند کا روشنی کے پھول لٹانا تخیل (Imagination) سے تعلق رکھتا ہے۔ پھول چوں کہ خوشبو اور رعنائی کا استعارہ ہیں، اسی لیے یہ پھول محض فیض کی ذات سے نہیں بل کہ ان کی طرح پھنسے تمام بے قصور ملزموں اور مجرموں کے لیے خوشی کی نوید تھے۔ ایسی ہی خوبصورت ساعتوں میں رات دن میں ڈھلتی ہوئی محسوس ہونے لگتی ہے۔ گویا یہ ظلمت جس کے دو معنی ہیں جو اندھیرا بھی ہے اور نظام کی مجموعی تاریکی بھی، جلد یا بہ دیر ختم ہونے والی ہے۔ اگلے دو مصرعے بتاتے ہیں کہ چاند شاعر کو رات کے کٹ جانے کا پیغام دیتا ہے اور کہتا ہے کہ وہ رات جو تو نے بہت آہستگی سے کاٹی ہے، وہ کٹ ہی چکی ہے اور اب تو اس رات سے آزاد ہونے والا ہے۔ یہاں رات اور تنہائی، فیض کی نفسیاتی تنہائی اور وہ سیاہ حصے ہیں جس میں وہ جسمانی اور ذہنی طور پر گھرے ہوئے ہیں لیکن یہ بھی پیشِ نظر رہے کہ یہ سب محض ان کے ذاتی تجربات نہیں بل کہ ان کے اپنے ایسے معصوم اور بے گناہوں کی نمائندگی بھی ہے۔ یہ ناامیدی اور بے بسی ہے جو مسلسل مجبوری اور لاچاری سے جنم لیتی ہے۔ ان کی تمام رات ایسے ہی حالات و واقعات میں گزر جاتی ہے۔ چاندنی کے پھولوں کا رات کی تاریکی میں گرتے رہنا اور "رات اور صبح بہت دیر گلے ملتے رہنا" بہت خوبصورتی سے رات کو مجسم کرتے ہوئے زبان کے دیگر استعمال سے تعبیر ہے اور اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ رات بھر وہ جاگتے رہے۔

کرب کا اظہار

اگلے چار مصرعوں میں فیض گہرے کرب کا اظہار کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ دوستوں کے سنہرے چہرے، مظالم میں ڈوب جاتے ہیں اور وہ دوبارہ کم ہی دکھائی دیتے ہیں یعنی ایک ایک کرکے انھیں قتل کر دیا جاتا ہے۔ یہی منظر کشی فیض کی نظم "دریچہ" میں بھی نظر آتی ہے جس میں فیض جیل کی سلاخوں سے باہر دیکھتے ہیں جہاں آئے دن نوجوانوں کو سولی چڑھایا جاتا رہتا ہے اور وہ خاموشی سے سب دیکھتے ہیں اور ہر گزرتا دن ان کی کرب کو روز افزوں کرتا جاتا ہے۔ چناں چہ "صحنِ زنداں میں رفیقوں کے سنہرے چہرے سطحِ ظلمت سے دمکتے ہوئے ابھرے کم کم" میں وہ کہا گیا ہے جو موجود نہیں اور ساختیات کے مطابق بڑا خلا (Gape) موجود ہے جسے قاری اپنی سمجھ اور تخیل سے پورا کرتا ہے۔ جوں جوں وہ معنی کی گہرائی میں اترتا جاتا ہے، یا اس پر معنی کی زیادہ پرتیں کھلتی ہیں وہ اور زیادہ غم گین ہوتا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اس کے دل میں استحصالی قوتوں کے خلاف قوت مجتمع ہوتی ہے۔ بال خصوص قید و بند میں "دیس کا درد، فراقِ رخِ محبوب کا غم" دھوڈالنے کا واضح اور صاف مطلب یہی ہے کہ اب وہ موجود ہی نہ رہے بصورتِ دیگر ایسا ممکن نہیں کہ قید میں کسی شخص کے دل و جان سے یہ سارے غم یک دم دُھل جائیں۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ملزم پر امید نہیں۔ انھیں عدل و انصاف کی تمنا نہیں بل کہ وہ غاصبیت و آمریت کی چکی میں پستے ہوئے کبھی کبھی ہی پر امید ہو کر سر اٹھاتے ہیں۔ ایسے میں فیض وہ سیاہی کے مقابل رخِ روشن (Binary Opposition) لے کر کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں کوئی بھی معقول شخص ذہنی اذیت میں مبتلا ہو کر کچھ ہی عرصے میں نفسیاتی مریض بن سکتا ہے۔ اگلے چار مصرعے ایک اور ہی طرح کا تخیل پیش کرتے ہیں جس میں ظالم و مظلوم ایک لڑی میں پروئے جاتے ہیں۔ صحنِ زنداں میں نوبت بجنا، پہرے داروں کی جگہ نئے پہرے داروں کا پہنچنا، قیدیوں کا جاگ اٹھنا اور پہرے داروں کا ان کے ساتھ سارا دن گزارنا ان کے اس کردار پر سوال اٹھاتا ہے کہ کیا واقعی وہ ظالم ہیں یا خود کسی ظلم کی چکی میں پستے ہوئے خدمات سرانجام دے رہے ہیں؟ "زرد فاقوں کے ستائے ہوئے پہرے والے" خود ادنی درجے کے پہرے داروں کے دکھ بیان کرتا ہے۔ وہ جو قیدیوں ہی کی طرح مجبور اور محکوم زندگی گزار رہے ہیں۔ کیا ان کے پاس کرنے کو اور کچھ نہیں اور وہ خود سے بڑوں کے ہاتھوں کھلونا تو نہیں بنے ہوئے؟

مصرعوں میں ادبی چاشنی

اگلے دو مصرعوں میں زبان کو بہترین ادبی انداز میں اجنبیانے (defamiliarization) کی کوشش کی گئی ہے جسے پڑھتے ہوئے ذہنی تلذز ملتا ہے اور ادبی چاشنی پر قاری عش عش کر اٹھتا ہے۔ تالے میں چابی لگنے کے عمل کو وہ تالے کے جگر میں خنجر اترنے سے تعبیر کرتے ہیں، اور قیدیوں کے پاؤں میں پڑی بیڑیوں کی آواز اور لہرانے کو مچل کر کرونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

نظم کا اختتامی بند

نظم کا اختتامی بند قیدیوں کی امید اور جدوجہد کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ قیدیوں کی امیدیں اور خواب ان کے لیے نازک پریاں کی طرح ہیں، جو آسانی سے ٹوٹ سکتی ہیں۔ تاہم، یہ امیدیں اور خواب ان کے لیے شہپور کی طرح ہیں، جو انھیں اپنی آزادی کے لیے جدوجہد کرنے کی طاقت دیتی ہیں۔ فیض انتہائی کرب اور تکلیف کے عالم میں جب کہ انھیں بنا جرم قید کیا گیا ہے، بیوی بچوں سے دور اور معاشرے کی نظروں میں مجرم ہیں، اپنے ساتھیوں کو پر امید رہنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ وہ قیدیوں کو دل نہ ہار دینے کی تلقین کرتے ہیں۔ یہاں دریچہ بھی ایک علامت (Sign) کے طور پر استعمال ہوا ہے جو قید کے جبر و ستم کی نشان دہی کرتا ہے۔ اس دریچے کا "سر پٹکنا" یکسر ناممکن ہے لیکن زبانِ حال سے اس کا بیان اس جانب اشارہ کرتا ہے کہ یہ انسان ہیں جو قید

کرتے ہیں، دکھ دیتے ہیں یا سکون نہ کہ در و دیوار۔ وہ دریچہ جو چاہتا ہے کہ یہاں قیدی ایک لمحہ نہ رکیں، اس کا قیدیوں کی حالتِ زار پر سر پٹکنا، اہم بات ہے جس کا مطلب ہے کہ وہ کسی کو داخل ہونے یا نکلنے کی اجازت دینے سے انکار کر رہا ہے۔ یہ مصرع دروازے کو دشمن کے طور پر پیش کرتا ہے۔ یہ اس بات کی علامت (Sign) ہے کہ دروازہ قیدیوں کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ دشمنِ جاں سے مراد ظالم، آمر اور غاصب ہیں جو انسان کو ایک سادہ زندگی گزارنے کی اجازت نہیں دے پا رہے۔ اگلے مصرعے میں **سنگ و فولاد سے ڈھالے ہوئے جنات گراں کیا ہیں یا کیا ہو سکتے ہیں سمجھ نہیں آتا تاوقتیکہ اسے تشبیہ و استعارہ کے ضمن میں سمجھا جائے۔ یہ سنگ و فولاد کے کوہ گراں دراصل قید خانے کے در و دیوار اور سلاخیں ہیں جنھیں توڑنا ممکن نہیں اور قیدی منصفین کے رحم و کرم پہ ہیں۔ فیض نے یہاں ایک اور استعارہ** (Sign) **بے کار پریاں شب و روز کے لیے استعمال کیا ہے جس میں وہ قید ہیں اور بناوجہ کار سزا کاٹ رہے ہیں۔ لیکن اس سب کے باوجود وہ ناامید نہیں ہیں۔ انھیں امید ہے کہ وہ جلد ہی اس ساری مصیبت سے چھوٹ جائیں گے اور آزاد فضا میں سانس لیں گے۔ نظم کی ساخت میں موجود استعارے، تخیل کی تجسیم اور اشارات و علامات اسے چار چاند لگاتے ہیں اور اس کی اثر آفرینی بڑھانے میں پورا کردار ادا کرتے ہیں۔ بال خصوص وہ حصے جہاں قاری متن کی خاموشیوں** (Silences)، **خلا** (Gapes) **اور غیر موجودگیوں** (Absences) **کو اپنے نظریات و تجربات سے پُر کرتا ہے، مزید اثر آفرینی پیدا کرتے ہیں۔**

خلاصۂ بحث

فیض احمد فیض اردو ادب کے ان اہم ترین شعرا میں شامل ہیں جنھوں نے نہ صرف عصری حسیت کو قبول کیا بل کہ محض زلفِ خمِ جاناں میں الجھے رہنے کے بجائے اپنی شعری کائنات میں زندہ انسانوں کے مسائل کو بہت خوبی سے بیان کیا۔ ان کی شاعری کے پس منظر میں جہاں ہجرت کے غم کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں، اس سے بڑھ کر بعد از ہجرت زندہ استحصالی قوتوں کی سرکوبی کا جزبہ دکھائی دیتا ہے۔ ان کی انقلابی شاعری جو کہ در حقیقت انقلاب اور رومان کا حسین امتزاج ہے، اس کے پس منظر میں جھانکیں تو ساختیات (Structuralism) کی رو سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری شاعری خواب و خیال کی شاعری نہیں بل کہ اس میں استحصالی قوتوں اور مظلوم طبقے کی نفسیاتی کشمکش بھی نمایاں ہے اور اس کے رد کرنے کا جذبہ بھی۔ وہ انسان دوست شاعر تھے اور عملاً بھی اس پر کاربند رہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات دورِ حاضر میں جب کہ استحصال، جبر اور عالمی قوتوں کے نو آبادیات پر مظالم کسی بھی طرح کم نہیں ہو رہے ہیں مزید اہمیت حاصل کر جاتے ہیں۔ ان کی شاعری میں یقیناً ایسی آفاقیت موجود ہے جو ہمیشہ مستحصل طبقے کے لیے خاصے کی چیز رہے گی۔

References

[1] Dr. Nasrat Chaudhry, *Faiz Ahmed Faiz* (New Dehli: Unis Offis Printers, 1995), 117.
[2] Ashfāq Ḥussain, Faiz Ek Jaiyza (Karachi: Idāra Yādgār-e-Ghālib, 1977), 117.
[3] J. A. CUDDON, A Dictionary of Literary Terms and Literary Theory, Fifth Edition, A John Wiley & Sons, Ltd., Publication, 2013, 684.
[4] Maqsood Ḥasanī, "*Sakhtiyat, Pas Sakhtiyat, Aur Rad-e-Sakhtiyat: Aik Asasi Mutalea*" included in: "Sahih Maahi Nawadar," (Lahore: Down Bondgi Printers, September 2004 to March 2005), 11: 34.

[5] Dr. Muhammad Khurram Yāsīn, " *Ghālib kī Ek Ghazal kā Sakhtiyatī Jaiyza*," included in: "Mahakma," (Sialkot: University of Sialkot, 2022), 2.
[6] Faiz Ahmed Faiz, "Kulliyāt-e-Faiz, Zindagī kī ek Subh" included in: "Dast-e-Saba," (Dehli: Nāz Publishing House), 109-111.
[7] Muhammad Ḥameed Shāḥid, Faiz Ahmad Faiz FikroFun aur Naya Tanazur https://adbistan.wordpress.com/2010/08/22/.